مجروحؔ لکھ رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

⌘ ⌘ ⌘

پہلی نظر

''بھیا اِتی گرمی......! ہم سے تو کل روزہ نہیں رکھا جائے گا۔'' اس نے جلدی جلدی
نیتں تر پتے ہوئے توبہ تلا کی۔
''دوزخ میں اس سے زیادہ گرمی ہوگی۔'' ظفر بھائی اسٹول پر چڑھے وال کلاک سے
تے ہوئے غالباً ٹائم سیٹ کر رہے تھے۔ برجستہ بولے تھے۔
''دیکھئے اماں جان......! ظفر بھائی ہمیں دوزخ میں بھیج رہے ہیں۔'' وہ چلائی۔
''ارے ہم کہاں بھیج رہے ہیں۔ تمہارے اعمال بھیج رہے ہیں۔''
''ارے کہیں نہیں بھیج رہے۔ تیرا دماغ خراب ہے ظفر۔ بھلا میں اتنی گرمی میں اسے
ساہیوال بھیجوں گی۔ ارے بلانے والے کو خود بھی سوچنا چاہئے۔ جس کو کراچی کی گرمی
برداشت نہیں وہ ساہیوال کے تنور میں کیسے بیٹھے گا۔''
''اماں جان......! ساہیوال میں کرسیاں، پلنگ نہیں ہوتے۔'' ظفر نے سادگی سے
پوچھا۔
''کیوں نہیں ہوتے۔ شہر ہے، زمانے بھر کی چیزیں ہیں وہاں۔ کوئی جنگل تو نہیں
ہے۔''
''آپ کہہ رہی تھیں ناں کہ جس کو کراچی کی گرمی برداشت نہیں وہ بھلا ساہیوال کے تنور
میں کیسے بیٹھے گا۔ میں سمجھا ساہیوالی تنور میں بیٹھتے ہیں۔ چلو سردیوں میں انسان تنور میں بیٹھ
جائے تو کوئی حرج نہیں۔''

''فوراً زبان پکڑتا ہے یہ لڑکا۔'' اماں جان' ب سمجھ چکی تھیں۔ ''اور ہاں لکھ دینا اپنی خالہ کو یہ بے موسم کے بلاوے مجھے پسند نہیں۔ میں نے اپنی پھول سی بچی کا حشر کروانا ہے اور یہ برسوں بعد مامتا اُمڈ کیسے پڑی۔ سنا کرتے تھے ماں مرے..... ماسی جیئے، ایک تم لوگ ہو جن کی ایک نہ دو پوری چار خالائیں ہیں جن میں ایک کچھ احساس کرنے والی ہیں، خط پتر کے ذریعے حال تو پوچھ لیتی ہیں اور ہوشیار تینوں بہنوں کی طرح ہیں، ہمیشہ شدید گرمی کے موسم میں تم دونوں کو بلواتی ہیں۔ معلوم تو ہے ہی کہ کون بھیجنے لگا اتنی سخت گرمی میں اپنے بچوں کو۔''

اماں جان پوتا پوتی کی جھڑپ سے یہی نتیجہ اخذ کر پائی تھیں کہ ظفر اور پری گل کی خالہ نے جو اپنے بھانجے بھانجی کو سا ہیوال بلایا ہے بلکہ دعوت دی ہے، دونوں اسی سلسلے میں تکرار کر رہے ہیں۔

''ارے یہ جو تم آئے دن اُٹھا ڈھوئی کے کام کرتی رہتی ہو، آج مکمل کر لو۔ کل تو انشاء اللہ روزہ ہو جائے گا۔'' وہ باہر جاتے جاتے دوبارہ پلٹ کر آئیں۔

''اماں جان یہ تو کہہ رہی ہے، میں روزے نہیں رکھوں گی۔'' ظفر اپنا سامان سمیٹ کر باہر نکلتے نکلتے بولا۔ اسے معلوم تھا، اماں جان دینی معاملات میں کس قدر سخت ہیں۔ یقیناً اب چالیس منٹ کی تبلیغی تقریر پری گل کا مقدر ہے۔ وہ باہر نکلتے ہوئے شرارت سے سوچ رہا تھا۔

♦ ♦ ♦

روزہ پہلا تھا اور پری گل کا حال برا۔ ظہر کی نماز کے بعد سے فل پنکھے کے نیچے لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی اذان ہو جاتی ہے یا غروب ہونے کے کچھ دیر بعد۔ اگر سورج غروب ہونے کے کچھ دیر بعد اذان دی جاتی ہے تو غلط ہے۔ کیا سورج کے واپس پلٹ آنے کا شبہ ہوتا ہے۔ بس جیسے ہی سورج نظروں سے اوجھل ہو، اذان ہو جانی چاہئے۔

''بڑے شرم کی بات ہے، آخر اماں جان کا بھی روزہ ہے، وہ باورچی خانے میں کب سے کام کر رہی ہوں گی۔''

''ہم نے نہیں کہا تھا ان سے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''غصے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔''

''کیا پانچویں امام ہیں۔ کھڑے فتوے پر فتوے جھاڑ رہے ہیں۔'' وہ اسی طرح اوندھی لیٹی بے زاری سے بولی۔

''دراصل تیمور بھائی بات یہ ہے کہ پری گل بے حد زاہدہ، عابدہ قسم کی لڑکی ہے، اکثر روزہ عبادت میں مصروف رہتی ہے۔ بس رمضان آتے آتے ان حالوں کو پہنچ جاتی ہے۔ جو کی روٹی سے سحری کرتی ہے، نمک سے افطار کرتی ہے۔ کیا کریں بچپن ہی سے قلب جاری ہو گیا تھا۔''

وہ چونک کر ایک دم سیدھی ہو گئی۔ یہ ظفر بھائی سے مخاطب ہیں۔

''ارے تیمور بھائی.....! آپ اس بھری دوپہر جیسی شام میں ہمیں پریشان کرنے کیوں آ گئے۔ السلام علیکم.....!''

''وعلیکم السلام.....!'' وہ مسکرا دیئے۔

''بے فکر رہو۔ تمہیں تکلیف نہیں ہو گی۔ کیونکہ میں کلینک دیکھنے آیا ہوں کہ کارپینٹر نے اپنا کام مکمل کر لیا یا نہیں۔''

''کارپینٹر تو دوپہر کو کام مکمل کر کے چلا گیا تھا۔ یہ رہی چابی۔'' اس نے تکیے کے نیچے سے چابی نکال کر تیمور کو تھمائی جواب کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

''اچھا.....! تو پھر ظفر، رنگ وغیرہ میں کتنے دن لگ جائیں گے۔؟''

''میرا خیال ہے تیمور بھائی دو دن میں رنگ کا کام مکمل ہو سکتا ہے۔ خدا کے لئے تیمور بھائی اپنے کلینک کا افتتاح عید کے بعد کیجئے گا۔''

''ایسا ہی کریں گے، بے فکر رہو۔ مگر ارینج منٹ تو ہوتے ہوتے ہی ہو گی۔''

''پری.....!'' اماں جان کی آواز آئی۔

وہ جلدی سے پاؤں میں سلیپر اڑس کر باہر بھاگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا بلاوا کیوں آیا ہے۔

''جی اماں جان.....!'' اس نے کچن کے دروازے میں جم کر معصومیت سے جی اماں جان کہا تو وہ اسے گھور کر بولیں۔

''سمجھ میں نہیں آتی ایک مرتبہ کی بات..... ہزار دفعہ کہا ہے کوئی ضرورت نہیں تیمور سے

ہنسی مذاق کرنے کی۔ پسند کی شادی کی، چار دن پونچلے کئے، پھر طلاق دے دی۔ یہ شریف آدمیوں کے کام نہیں ہوتے، سمجھیں؟ ہنسی مذاق کرتے وقت یہ بھی دیکھ لیا کرو کہ بات کس سے کر رہی ہو۔'' وہ دبے دبے لہجے میں اسے پھر ڈانٹ رہی تھیں۔

''بھول گئی تھی اماں جان.....! اب کے تیمور بھائی نے بات کی تو میں کہہ دوں گی، ہم طلاق دینے والے مردوں سے بات نہیں کرتے۔'' اماں جان نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے نزدیک بیٹھ کر چاٹ بنانے لگ گئی۔

♦ ♦ ♦

اماں جان دراصل ان دونوں یعنی پری گل اور ظفر آغا کی سگی دادی جان ہوتی تھیں۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی اور ان بچوں کی بھی کہ ان کا اکلوتا بیٹا عمر آغا ایک حادثے میں پری گل کی پیدائش سے تین ماہ پہلے چل بسا اور ان کی اکلوتی چہیتی بہو زچگی میں کسی پیچیدگی کے سبب ان سب سے منہ موڑ گئی۔ عمر آغا سے بڑی دو بہنیں تھیں جو اپنے اپنے گھروں کی تھیں۔ یوں دونوں بچے دادی کی آغوش میں پروان چڑھے۔

ان کے بڑے داماد نے دانشمندی سے کام لے کر ساس کو مشورہ دیا کہ وہ آبائی مکان کا نچلا حصہ کمرشل مقاصد کے لئے استعمال کریں اور اُوپر رہائش اختیار کریں۔ یوں نیچے تقریباً ایک مختصر رہائشی حصہ اور پانچ دُکانیں نکل آئی تھیں۔ عمر آغا سرکاری عہدیدار تھے، ان کی وفات کے بعد جو کچھ بھی پیسا ملا، وہ اس پلان پر صرف کر دیا گیا اور یہ تو وقت نے ثابت کر دیا کہ کس قدر صحیح فیصلہ کیا تھا۔

رہائشی حصے میں پہلے ایک مختصر سی فیملی رہتی تھی جو حال ہی میں حصہ خالی کر کے کہیں بڑے مکان میں چلی گئی تھی۔ اب یہ رہائشی حصہ اور ایک دُکان تیمور نے کرایے پر حاصل کر لی تھی، ویسے وہ ایک سرکاری ہاسپٹل میں بھی مسیحائی کر رہے تھے لیکن اب انہوں نے شام کے وقت اپنی ذاتی پریکٹس کا بھی ارادہ کر لیا تھا یعنی وہ مزید معاشی استحکام چاہتے تھے۔ حال ہی میں اپنی بپناہ حسین و جمیل بیوی کو طلاق دے چکے تھے جن سے ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔

اماں جان یعنی فیروزہ خانم کے سسرالی رشتے دار ہوتے تھے اور اس دادی کے پوتے تھے

جس نے بہ قول اماں جان کے ساری زندگی ان کی ناک میں تنکا چلا کر رکھا تھا۔ ان کے پورے خاندان سے اماں جان بیزار تھیں۔ یہ ظفر کی سفارش تھی جو انہوں نے بطور کرایے دار انہیں برداشت کر لیا تھا اور اب اُٹھتے بیٹھتے اکثر پری گل کے کانوں میں جملے پڑتے رہتے تھے۔

''ارے خدا معلوم کہاں کا خمیر کہاں پڑا ہے۔ ہمارے خاندان میں تو نیک خو و نیک بخت انسان پائے جاتے تھے۔ اللہ معلوم کن سازشیوں کی روحیں حلول ہیں آصفہ (نند) کے خاندان میں۔''

''ذرا جو کسر چھوڑی ہو آصفہ نے..... اس کا تو منشا یہ رہا، کسی طرح بھی میں تمہارے دادا کی نظروں سے گر جاؤں، وہ مجھے پاؤں کی جوتی پر رکھیں۔''

''مگر وہ جو ہے ناں قرآن کا فیصلہ۔ وتعز من تشاء وتذل من تشا (ہم جسے چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلت)''

پری گل کی سماعت شل ہو جاتی تو وہ جھلا کر کہہ دیتی۔

''چھوڑیں اماں جان.....! اب تو آپ کے بعد نند بھاوجوں کی تیسری پشت چل رہی ہے۔ اتنی پرانی باتوں کا کیا دُہرانا۔''

''ہاں بیٹی.....! تمہارا کہنا بھی ٹھیک..... مگر کیا کروں جب آصفہ کوئی دُکھ اُٹھاتی ہے تو دُہرا مزاج ہو جاتا ہے میرا۔ ایک طرف سینے کی جلن پر ٹھنڈے چھینٹے پڑتے ہیں تو دوسری طرف ایک دم انسان ہونے کے ناتے دل بھی دُکھنے لگتا ہے۔ بات تو بہرحال گھر کی ہے ناں۔''

اور وہ ماتھا پیٹ کر رہ جاتی..... لو بھلا اس قدر برا بھلا کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب آخر کار ہمدردی ہی کرنا ہے۔

ایک روز بولیں، ''تمہارے دادا پر آصفہ کا جادو نہ چلا۔ اللہ بخشے دانشمند آدمی تھے۔ بیٹا کوئی ہوا نہیں آصفہ کے۔ گھر اُجاڑنے کا ارمان دل ہی دل میں پروان چڑھ رہا تھا۔ آخر کار نواسے کا گھر اُجاڑنے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔''

''مگر میں نے سنا ہے چندا بھابی نے خود طلاق مانگی تھی۔''

''تم کل کی بچی، تمہیں کیا خبر تریا چلتروں کی۔ میں تو پہلے ہی کھٹکی تھی جب آصفہ نے چندا

کے ہاں زچگی کے بعد مستقل وہیں ڈیرا ڈال لیا تھا۔ ارے یہ لڑکا بھی کچھ عاشق مزاج واقع ہوا ہے۔''

''کون..... تیمور بھائی.....؟'' پری گل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''ارے تو اور کون.....؟'' انہوں نے گھٹنے کے نیچے دھاگے کی ریل ٹٹولی۔ وہ تمام رازدارانہ باتیں پوتی سے کرلیا کرتی تھیں۔

''کسی نے آپ کو بتایا ہے کہ تیمور بھائی عاشق مزاج ہیں؟'' وہ معصومیت سے بولی۔

''یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ کبھی کہتا تھا، اس سے شادی کردو۔ کبھی کہتا نہیں وہ ٹھیک نہیں، اُس سے شادی کردو۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ ہر وقت لڑکیاں ہی آنکتا رہتا ہوگا۔'' وہ بیزاری سے بولی تھیں۔

''توبہ اتنے برے ہیں تیمور بھائی.....'' اس نے تاسف سے کہا۔

''جب ہی تو میں کہتی ہوں، تم اس کے سامنے بڑبڑ نہ کیا کرو۔ اسے بھلا عمر کا لحاظ بھی کہاں ہوگا۔ یہ تو ظفر نے خواہ مخواہ کا دُم چھلا باندھ لیا ہے اپنے ساتھ۔''

''ویسے اماں جان.....! تیمور بھائی اتنے خراب لگتے تو نہیں۔''

''ارے بس.....! نانی پر ہی گیا ہے اپنی۔ جتنا زمین کے اوپر ہے اتنا زمین کے اندر۔ مت آیا کرو تم اس کے سامنے، اس نے تو پہلے ہی خاندان بھر کی لڑکیوں میں چھانٹی لگائی تھی۔ تم تو پھر خاندان بھر میں سب سے خوبصورت ہو۔'' وہ خودکلامی کے انداز میں بولی تھیں لیکن پری گل نے سن لیا تھا۔

''لو، ذرا سوئی میں دھاگا ڈالو۔'' انہوں نے سوئی اسے تھمائی۔

اس کے ابو کی چچازاد بہن یعنی عائشہ پھوپھو کے ہاں افطار پارٹی تھی۔ اس کا اسکول میں ٹیسٹ تھا۔ اس لئے جانہ سکی۔ اماں جان یہ سوچ کر کہ ظفر مغرب سے پہلے گھر آجاتا ہے، اسے چھوڑ گئی تھی مگر ہدایات کے بحرِ ذخار میں غرق کرگئی تھیں۔

''دروازہ اندر سے بند کرلینا۔ نام پوچھ کر دروازہ کھولنا وہ بھی جب ظفر آئے ورنہ نہیں۔ کھانا مغرب سے پہلے تیار کرلینا۔'' وہ ہر ہدایت پر مسکرا کر جی جی کرتی رہی۔ خدا خدا کر کے اماں جان عصر کے وقت رُخصت ہوئیں۔

اس نے جلدی جلدی کھانا وغیرہ بنایا اور دروازہ بند کر کے اسٹڈی کرنے بیٹھ گئی۔

مغرب کی اذان ہوگئی، ظفر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ دُور دُور تک اس نے پورے گھر کی بتیاں روشن کردیں۔ تنہا گھر میں عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون.....؟'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تیمور.....'' آواز آئی۔

اس نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ تیمور کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

''خیریت تو ہے.....؟'' انہوں نے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

''ظفر بھائی ابھی تک نہیں آئے۔''

''تو کیا ہوا آجائے گا۔'' تیمور نے لاپروائی سے کہا۔

''میں اکیلی ہوں۔''

وہ بے ساختہ مسکرا دیئے۔ ''کوئی بات نہیں نیچے تو بہت چہل پہل ہے۔ اچھا ایسا کرو، ذرا جائے نماز دے دو۔ مریض کو دیکھنے میں دیر ہوگئی، جماعت نکل گئی۔ حالانکہ مسجد دو قدم پر ہے۔ شاباش ذرا جلدی سے۔''

وہ بھاگ کر اندر گئی اور اماں جان کی خوبصورت مخملی جائے نماز انہیں تھما دی۔ وہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔

''تیمور بھائی.....!'' وہ بے ساختہ بول اُٹھی۔

تیمور پانچویں زینے پر رُک گئے اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے فوراً دروازہ بند کرلیا۔

رات آٹھ بجے اس کو وحشت ہونے لگی۔ اماں جان کیوں نہیں آئیں۔

ظفر بھائی کہاں رہ گئے۔ سامنے والے فلیٹ کا گھورا اندھیرا اسے سہمانے لگا۔ وہ کمرے میں بند ہوگئی۔ کمرے کی تنہائی اسے مزید ڈرانے لگی۔ پورا وجود پسینے میں نہا گیا۔

وہ گھبرا کر باہر نکل آئی اور دروازہ کھول کر بے ساختہ زینے طے کرگئی اور دوڑتی ہوئی کلینک میں داخل ہوگئی۔

''تیمور بھائی.....! تیمور بھائی.....!''

تیمور ایک مریضہ کی نبض تھامے بیٹھے تھے، بری طرح بوکھلا گئے۔

''کیا ہوا پری گل.....؟''

اتنی دیر میں وہ سانس درست کر چکی تھی۔'' کچھ نہیں۔ وہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ کوئی ٹیبلیٹ دے دیجئے۔''

تیمور نے اسے گہری نظر سے دیکھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اندر اسٹور میں گئے اور ایک سر درد کی گولی اس کی ہتھیلی پر لا کر رکھ دی۔'' کیا بات ہے پری گل... !ڈر لگ رہا ہے۔؟''

پری گل کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''ظفر نہیں آیا ابھی تک.....؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اچھا ایسا کرو، یہیں بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ میں اوپر تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔'' پھر کمپوڈر کو آواز دے کر بلایا اور کہا وہ زینے کا دروازہ لاک کر آئے۔ پری گل وہیں ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔ مریضہ پر شوق انداز میں یہ تمام کارروائی دیکھتی رہی۔

اب پری گل کے چہرے پر سکون سا تھا۔

تیمور اس کی طرف سے یکدم غافل ہو کر اپنے مریضوں کو انہماک سے چیک کرتے رہے۔

نو بجے ان کا کلینک بند ہو جاتا تھا۔

نو بجے سمیٹا سمٹائی شروع ہو گئی۔ کمپوڈر بھی چلا گیا اور دوسرا ملازم لڑکا بھی۔

''اب تمہارا کیا کروں.....؟'' وہ ریوالونگ چیئر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے شفیق سے انداز میں مسکرائے۔

''اوپر چل کر بیٹھتے ہیں۔ میں آپ کے لئے چائے بنا دوں گی۔ آپ تھک جاتے ہوں گے، ہے ناں.....؟'' اسے تیمور پر ترس سا آ گیا۔

''اور میرا خیال ہے ظفر بھائی آتے ہی ہوں گے۔ چلیں اوپر۔'' وہ بولی۔

''نہیں.....''

''کیوں ...؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اماں جان.....نہیں ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ پسند نہیں کریں گی کہ.....''

''ارے میاں، میں پسند کروں یا نہ کروں، یہاں تک تو لے ہی آئے۔''

اماں جان اندر وارد ہو گئی تھیں۔ پری گل اُچھل کر اسٹول سے اُتر گئی۔

''پری گل یہاں ہو یا تم وہاں.....فرق کیا پڑتا ہے۔ چلو پری گل اُوپر۔'' وہ ڈپٹ کر بولیں۔ وہ میز سے چابی اُٹھا کر بھاگ لی۔

''بات سنو میاں.....'' انہوں نے سفید کرتے پائجامے میں ملبوس باوقار سے تیمور کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا،'' پری گل بہت معصوم ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' تیمور سناٹے میں رہ گئے۔

''غور کرنا سمجھ میں آ جائے گا۔'' وہ باہر نکل گئیں۔

''تم وہاں کیا اس کی خدمتگار بنی بیٹھی تھیں.....؟'' وہ اُوپر آ کر ناگواری سے گویا ہوئیں۔

''مجھے ڈر لگ رہا تھا۔''

''بند گھر میں بھلا کون آ رہا تھا؟ اور یہ ظفر.....کس قدر غیر ذمہ دار ہے حالانکہ کہہ دیا تھا۔ خدا معلوم کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ ایک ان لوگوں نے افطار کے بعد کھانے کی بخ لگا دی حالانکہ میں نے کتنا کہا کہ بچی گھر میں اکیلی ہے، ظفر کا کوئی بھروسہ نہیں اور ہوا بھی وہی۔ پری گل.....! حلق میں کانٹے بھی پڑ رہے ہوں تو اس کے پاس پانی مانگنے نہ جانا۔''

''کس کے پاس.....؟''

''اسی کے پاس جس کا نام بھی سننا مجھے پسند نہیں۔ جی مضبوط کر کے رکھتے ہیں، سہاروں کے بغیر بھی انسان کو وقت کاٹنا پڑ جاتا ہے۔ خیر سے سولہواں برس لگ چکا ہے، بچی نہیں ہو۔ اس شخص کی نظر صاف نہیں۔ اپنا آپ عورت کو خود بچا کر رکھنا پڑتا ہے، پہرے دار ساتھ نہیں چلتے۔''

وہ حیرانی سے سوچتی رہی۔

''اتنے اچھے تو ہیں تیمور بھائی اور صاف نظر کیسی ہوتی ہے؟ اتنے تو شریف ہیں۔ پر اماں جان کو کون سمجھائے.....؟''

♦ ♦ ♦

حالانکہ تیمور کا پروگرام عید بعد ہی کا تھا کہ وہ آرام سے افتتاح کریں گے لیکن بیسویں

روزے کو ہی تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو انہوں نے کلینک آنا جانا شروع کر دیا۔

اس دن الوداع کا جمعہ تھا جس دن اماں جان افطار پارٹی اٹینڈ کرنے گئی تھیں اور پھر وہاں سے واپسی پر انہیں ایک جملہ غور کرنے کے لئے دے گئی تھیں۔ جسے سوچ سوچ کر ان کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ ایک روشن خیال انسان تھے۔ مصائب کا شکار تھے۔ روحانی کرب میں مبتلا تھے۔ تمام زندگی گھر سے لاتعلق رہے تھے۔ عورتوں کی سیاست ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ ان کے خاندان کی خواتین سینوں میں موروثی نفرتیں سمیٹے دن رات سلگتی ہیں۔

اس قدر ''روشن بہتان'' پر ان کا جی تو یہی چاہا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے عمارت کا یہ حصہ خالی کر دیں۔

یعنی حد ہوتی ہے۔ کیا سوچ کر اماں جان اتنی بڑی بات کہہ گئیں اور یہ بھی نہ سوچا، خدانا خواستہ اگر ایسی کوئی بات سچ مچ ہوتی بھی تو سراسر توہین انہی کی زیادہ تھی۔ بھلا مرد کا کیا جاتا ہے۔

واقعی انہیں اماں جان جیسی معقول خاتون کے منہ سے یہ عامیانہ سی بات زہر میں بجھا ہوا تیر بن کر لگی تھی۔ کئی دن چبھن ہوتی رہی۔ آخر آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی کہ کوئی تازہ واقعہ رونما نہ ہوا تھا اور ظفر ان سے اسی خوش دلی اور احترام سے ملتا رہا تھا جس سے انہیں ایک گونہ اطمینان سا ہوا تھا۔

♦ ♦ ♦

عید کے دن تو وہ ضرور اپنی سہیلیوں سے ملنے جاتی تھی۔ اپنا عید کا جوڑا پہن کر پور پور سے سج کر جب وہ جانے لگتی تو اماں جان ظفر کو ہدایت سمیت اس کے ساتھ کر دیتیں۔ تب وہ جھلا جاتی۔ ''کیا کوئی مجھے اکیلا دیکھ کر کھا جائے گا؟ ہر جگہ ظفر بھائی کو ضرور لے کر جاؤ۔''

''خطرہ تو مجھے محسوس ہو رہا ہے، مجھے تو لگ رہا ہے تمہارے جہیز کا سب سے اہم آئٹم میں ہی ہوں گا اور عورتیں مصر کی عورتوں کی طرح پھل کے بجائے اپنی اُنگلیاں کاٹ ڈالیں گی کہ ہائے کس قدر خوبصورت غلام آیا ہے دُلہن کے جہیز میں۔''

ظفر کی برجستگی پر اماں جان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

وہ بھی ہنستی ہوئی ناچار ظفر کے ساتھ چل دی جو اسے اس کی سہیلی کے ہاں پہنچا کر اپنی موٹر سائیکل اُڑا لے گیا تھا۔

سہ پہر کو جب وہ اُوپر جانے کے لئے بڑھی تو یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ کلینک کے اندرونی دروازے کا پردہ ہوا سے ہل رہا تھا۔

''ہائیں.....! یہ تیمور بھائی کو عید کے دن بھی چین نہیں ہے۔'' وہ اپنی مخصوص چھب کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔

''عید مبارک تیمور بھائی.....!''

تیزی سے قلم چلاتے ہوئے تیمور نے چونک کر سر اُٹھایا۔

''عید مبارک.....!'' انہوں نے جھک کر دوبارہ لکھنا شروع کر دیا۔

''ہوں.....اس کا مطلب ہے ہم چلے جائیں، عیدی وصول نہ کریں۔'' وہ انہیں اس طرح لاتعلق دیکھ کر چڑ گئی۔

''جی ہاں.....!'' ان کا لہجہ کھردرا تھا۔

''کتنے خراب ہیں آپ تیمور بھائی، محض عیدی کی وجہ سے اتنے روڈ ہو رہے ہیں۔ ہمارا ہے ہی کون.....ایک اماں جان عیدی دیتی ہیں، ایک سامیہ (دوست) کی امی۔ ظفر بھائی کہتے ہیں بے روزگار ہوں۔''

تیمور کو اس کے سادہ سے انداز پر ترس سا آ گیا۔ انہیں اس پر پنجرے میں پھڑپھڑاتی چڑیا کا گمان ہوا۔ یہ پنجرہ اس کی بوڑھی دادی کے ہاتھوں سے بنا تھا۔

''عیدی بھی دیں گے بھئی.....ہم تو مذاق کر رہے تھے، بیٹھو۔'' ان کے دل میں کوئی چور نہیں تھا پھر سادگی سے بیٹھنے کو کہہ دیا مگر وہ بیٹھی نہیں۔

انہوں نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ سبز کامدانی کے دوپٹے سے اس کا پورا وجود چھپا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بالوں کو اس نے کلپ میں مقید کر رکھا تھا پھر بھی دو چار لٹیں اِدھر اُدھر جھول رہی تھیں۔ کانوں میں چاندی کے بڑے بڑے جھمکے تھے جن کی وجہ سے وہ کچھ بڑی بڑی لگ رہی تھی۔

ایک دم انہیں احساس ہوا۔اماں جان جو اس قدر محتاط ہیں، غلط نہیں ہیں۔

انہوں نے قمیص کی سائیڈ جیب سے پرس نکالا اور سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اتنے سارے نہیں تیمور بھائی.....! اماں جان کہیں گی، اتنے سارے پیسے کس نے دیئے۔آپ کا نام لوں گی تو غصے ہوں گی۔''

''تو پھر نام مت لینا۔'' وہ مخصوص شفیق سے انداز میں مسکرا دیئے۔

''دراصل میں ان سے کچھ نہیں چھپاتی تیمور بھائی۔''

''بہت اچھی بات ہے۔'' وہ بولے۔

''تیمور بھائی، میں تو مذاق کر رہی تھی، میں نے آپ سے عیدی لے کر پٹنا ہے؟ اماں جان کو تھوڑی بتاؤں گی کہ میں آپ کو بھی عید مبارک دے کر آ رہی ہوں۔ بہت ناراض ہوں گی وہ.....سچ۔''

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں، تم ان سے کوئی بات نہیں چھپاتیں۔؟''

''غلطی ہوگئی، میں تو دراصل یہ دیکھنے آئی تھی کہ آخر آپ عید کے روز یہاں کیا کر رہے ہیں۔؟''

''گھر میں بہت شور تھا۔ مجھے ذرا سکون میں کچھ کام کرنا تھا، سو یہاں چلا آیا۔عید جن کے لئے ہوتی ہوگی، وہ عید منا رہے ہیں، میرے لئے تو یہ معمول کے مطابق دن ہے۔ نئے کپڑے پہن کر اور دنوں سے زیادہ کھا کر عید ہو جاتی ہے؟ عید کے معنی ہرگز یہ نہیں۔ خیر.....! تم عید مناؤ، کیوں یہاں کھڑی ہو کر بور ہو رہی ہو۔''

''بور تو میں اوپر جا کر بھی ہوں گی۔ آپ سے باتیں کرنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تیمور بھائی، آپ اس قدر اچھے ہیں۔ پتا نہیں اماں جان آپ کو ناپسند کیوں کرتی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں، اپنی اپنی سوچ ہے۔تم اور ظفر مجھے اچھا سمجھتے ہو میرے لئے یہی کافی ہے۔ بہت قناعت پسند آدمی ہوں۔'' وہ دوبارہ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

''ارے تیمور بھائی، آج کے دن تو چھٹی کر لیتے، کمال آدمی ہیں آپ... ؟''

ظفر پردہ اٹھا کر اندر آ گیا تھا۔ پری گل کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''ارے تم آ گئیں..... میں تمہیں لینے گیا تھا۔ سامیہ نے بتایا تم گھر واپس چلی گئی ہو۔

اچھا ہوا تم یہاں مل گئیں۔اب دونوں اوپر جائیں گے تو اماں جان سمجھیں گی میں تمہیں لے کر آ رہا ہوں۔انہیں مت بتانا کہ تم اکیلی واپس آئی تھیں۔''

''آپ بے فکر رہیں۔آپ ''پولکا کساٹا'' ساتھ لے کر چلیں تو میں ان سے بالکل نہیں کہوں گی۔'' وہ ادائے بے نیازی سے گویا ہوئی۔

''دیکھ رہے ہیں تیمور بھائی، بلیک میلنگ.....؟'' ظفر لاچاری سے بولا۔

تیمور مسکرا دیئے، پھر بولے۔

''ایسا کرو، آج عید کا دن ہے۔میری طرف سے عید کا تحفہ ''پولکا کساٹا'' پری گل کو کھلا دو اور تم بھی کھا لو۔'' انہوں نے وہی سو کا نوٹ جو پری گل کو دینے کے لئے نکالا تھا، ظفر کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہے تیمور بھائی.....! آپ ہمارے گھر میں بیٹھے ہیں، عید کا دن ہے اور ہم نے آپ کی کوئی خاطر مدارت نہیں کی۔''

''ارے کوئی بات نہیں، گھر کی بات ہے۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''تو پھر کپ لے آتے ہیں۔ برتن ورتن تو یہاں ہے نہیں، کساٹا کیسے کاٹیں گے۔''

''جیسے تم پسند کرو۔''

ظفر باہر چلا گیا، برابر ہی میں میڈیکل اسٹور تھا۔

''تیمور بھائی .....! ہم نے آپ کو پریشان کیا، ہے ناں.....؟''

''ارے نہیں بلکہ تم نے تو آ کر رونق کر دی ہے۔'' وہ رواداری سے بولے۔

تھوڑی دیر بعد ظفر واپس آ گیا۔تینوں نے مل کر آئس کریم کھائی۔

''تیمور بھائی آپ گھر کیوں نہیں گئے .....؟'' ظفر نے پوچھا۔

''آج فرح آئے گی۔ میں نے اسے یہیں بلایا ہے، گھر پر وہ دوسرے گھر والوں کو دیکھ کر مچل جاتی ہے۔پھر بہلانا مشکل ہوتا ہے۔''

''ہائے، تیمور بھائی فرح سے ہمیں بھی ملوائیے گا۔ سنا ہے آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔''

''ہاں .....!'' وہ مسکرا دیئے۔

''پتا نہیں عورتیں اتنی احمق کیوں ہوتی ہیں، اتنے اچھے آدمیوں کو چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔''
اسے افسوس ہوا۔

ظفر نے گھور کر پری گل کو دیکھا لیکن تیمور اس کے معصوم انداز پر مسکرا دیئے۔

''فرح تو آپ کو بہت پیار کرتی ہوگی۔؟''

''بہت'' وہ اختصار سے بولے۔

''چندا بھابی کتنی ظالم ہیں، کتنا سخت دل ہے ان کا۔ ظفر بھائی، بھلا تیمور بھائی سے اچھا آدمی مل سکتا تھا۔ تیمور بھائی کتنے ہینڈسم ہیں، پھر اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں، اتنا اچھا گھر ہے۔'' وہ کہے جا رہی تھی، ظفر اور تیمور مسکرا رہے تھے۔

''پولکا کھا کر مسکہ لگ رہا ہے۔ پہلے لگاتیں تو بات تھی۔'' ظفر نے چھیڑا۔

''جی نہیں، میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' وہ برا مان گئی۔

''ارے یار، مت تنگ کرو پری کو۔'' تیمور نے مسکرا کر ظفر کو باز رکھا۔

''تیمور بھائی.....! جب فرح آئے گی تو آپ ہمیں کیسے بلوائیں گے۔؟'' اسے پریشانی ہوئی۔

''میں فرح کو اوپر بھیج دوں گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہوگئی۔ ''چلیں ظفر بھائی! پولکا تو کھالی، اب ڈنڈولکا بھی کھالیں۔''

''ڈنڈولکا.....؟'' تیمور نے اُلجھ کر ظفر کو دیکھا۔

''ڈنڈے.....'' سے بنا ہے۔ آپ کو معلوم نہیں، عمرانیات ولسانیات کی ماہر ہے یہ پری گل۔'' ظفر ہنس کر کھڑا ہوا۔ تیمور بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھے۔

♦ ♦ ♦

''ارے آخر یہ بچی ہے کون.....؟'' اماں جان چشمہ نیچے کئے فرح کو گھور رہی تھیں جو دروازے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

''پپا کہہ رہے تھے۔ اوپر آنٹی رہتی ہیں، سلام کر کے آؤ۔'' وہ ہکلا کر مہین سی آواز میں

بولی۔

''مگر بچی آخر تیرا پپا ہے کون.....؟ کیا نام ہے؟'' وہ اُلجھیں۔

''ان کا نام تیمور آغا ہے۔'' وہ سہم کر بولی۔

اماں جان کی پیشانی پر لاتعداد بل پڑ گئے۔ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

''آجاؤ۔'' ان کا لہجہ سرد سا ہوگیا۔

فرح اندر آگئی۔

''ظفر.....! یہ تیمور کی بیٹی آئی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر باورچی خانے میں چلی گئیں۔

پری گل جھٹ کمرے سے نکل آئی اور تین چار سال کی گڑیا سی فرح کو اُچک لیا۔ ''کس کے ساتھ آئی ہو.....؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''ممی کے ساتھ.....'' وہ گھبرا رہی تھی۔

''ممی.....! کیا پپا کے پاس بیٹھی ہیں۔'' پری گل نے اشتیاق سے پوچھا۔

فرح نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''وہ نیچے گاڑی میں ہیں۔'' ظفر نے بھی آکر فرح کو پیار کیا اور باتیں کیں۔

''فرح بتاؤ، ممی اچھی ہیں یا پپا.....؟'' اس نے فرح کا رُخسار چوما۔

''ممی.....'' وہ آرام سے بولی۔

''ہائیں، خبردار جو تم نے ہمارے تیمور بھائی کو برا کہا۔''

فرح سہم گئی، پری گل ہنس پڑی۔

اچھا بتاؤ، پپا اچھے کیوں نہیں ہیں؟'' اس نے باقاعدہ انٹرویو شروع کر دیا۔

''وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے.....؟'' اس نے بسور کر کہا۔

''یہ بات تم نے اپنی ممی سے نہیں پوچھی۔ بہت خراب ہیں تمہاری ممی، ہمارے اتنے اچھے تیمور بھائی کو دُکھی کر دیا۔''

فرح آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اے پری کی بچی، کیا احمقانہ باتیں کر رہی ہو اتنی سی بچی سے۔'' ظفر نے ٹوکا۔ ''جا کر کہہ دیا نا اس نے اپنی ممی سے.....'' اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

''کہہ دے تو کہہ دے، ہم ڈرتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ظفر فرح کو نیچے لے گیا۔

اماں جان فوراً پری گل کے پاس آئیں۔

''ارے تمہاری سمجھ میں ایک مرتبہ کی کہی بات کیوں نہیں آتی.....؟'' وہ گرجیں۔

''جی.....؟''

''تم نے کیوں کمر کس لی ہے مجھے ذلیل کروانے پر۔ کل کو تیمور کی ماں اور نانی کی باتیں آخر مجھے ہی سننا پڑیں گی۔ میں تیمور کے ساتھ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتی، تم اس کے بچے آنکھوں پر اُٹھائے پھر رہی ہو۔ ارے لڑکی ہوش کے ناخن لو، تم اس خاندان سے واقف نہیں ہو، میں تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا اماں جان، معاف کر دیں، غلطی ہوگئی.....'' وہ ان کے گلے میں جھول گئی، اس انداز پر اماں جان بھی ٹھنڈی ہوگئیں۔

''بیٹی کوئی وجہ ہے جو میں اتنی احتیاط کرتی ہوں۔ بڑوں کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' وہ باہر چلی گئیں۔ اس نے کھڑکی سے باہر نیچے جھانکا۔ چندا بھابی اور فرح جا چکی تھیں۔

♦ ♦ ♦

امتحانوں کا موسم بھی گزر گیا۔ دن بے کیف گزرنے لگے تو اس نے گل رعنا سینٹر جوائن کر لیا۔ کپڑوں کی تراش خراش، کڑھائی بنائی، ہر دم کی مصروفیت ہوگئی۔ زینے چڑھتے ہوئے وہ ہلتے پردے سے کبھی تیمور کی جھلک دیکھ لیا کرتی تھی مگر پھر کبھی اندر نہیں گئی۔ کبھی ظفر انہیں اوپر لے بھی آتا تو وہ اماں جان کے ڈر سے سامنے نہیں پڑتی تھی۔ نہ انہوں نے ہی کبھی پوچھا کہ پری گل کہاں ہے۔

اس دن وہ اپنی قمیص کا خوبصورت سا گلا بنا رہی تھی۔ اماں جان پوتی کے سگھڑاپے کو خوشی سے دیکھ رہی تھیں بلکہ پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ معاً سفید خوبصورت سی فراک میں ملبوس فرح آ گئی۔ دونوں دادی پوتی چونک اُٹھیں۔

فرح نے معصوم سے انداز میں سلام کیا۔ اماں جان روکھے سے انداز میں جواب دے کر

باہر چلی گئیں۔

''ارے فرح تم کس کے ساتھ آئیں.....؟''

''پپا مجھے اسکول میں لینے آئے تھے۔''

''ممی کو پتا ہے.....؟''

''ہوں.....'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

''پپا نے بھیجا ہے اُوپر.....؟''

''نہیں میں خود آئی ہوں۔ میں نے پپا کو بتایا تھا کہ مجھے پری آنٹی بہت اچھی لگتی ہیں۔''

''پھر.....؟'' اس کے اندر اشتیاق جاگا۔

''پپا نے کہا مجھے بھی اچھی لگتی ہیں۔''

''ہوں.....'' اس نے جُھک کر فرح کا منہ چوم لیا۔ ''بات یہ ہے کہ ہم ہیں ہی اچھے، سب کو اچھے لگتے ہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔

اماں جان نے اندر وارد ہو کر فرح کا ہاتھ تھاما۔

''آؤ بیٹی، میں تمہیں تمہارے باپ کے پاس چھوڑ کر آؤں۔'' پری گل نے ہراساں ہو کر اماں جان کی شکل دیکھی۔ وہ فرح کو لے کر چلی گئیں لیکن جانے کیوں پری گل کو ہول سا آ رہا تھا۔

♦ ♦ ♦

''جیسا تمہارے بارے میں سنا تھا میاں، اس سے بڑھ کر پایا۔ کیسا ہونہار سپوت ہے آصفہ کا۔ بیٹی سے کہلا کر بھیج رہے ہو کہ پری گل اچھی لگتی ہے۔ ارے تم یہ کہنے والے کون۔ تم اپنے مال میں مست ہم اپنی کھال مین مست۔ اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں ہم۔ اور تمہاری تو عمریں گزر گئیں لڑکیاں پسند کرتے ہوئے۔ لاکھوں میں ایک مل بھی گئی تھی مگر تم اپنی عادت سے مجبور، چار دن گھر میں عورت نہ رکھ سکے۔ شریف مرد تو بری سے بری نباہ جاتے ہیں۔ دیکھو میاں.....! اپنی حد میں رہو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

تیمور کی شریانوں میں جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا۔ وہ صرف بزرگ ہی نہیں تھیں بلکہ ان کی

قریبی عزیز تھیں۔ انہوں نے اپنی اس قدر توہین محسوس کی تھی کہ بس نہیں چل رہا تھا، کہیں روپوش ہو جائیں۔

وہ نامی گرامی ڈاکٹر جس کے آگے پیچھے لوگ ہاتھ باندھے پھرتے ہیں اور یہ بزرگ خاتون، انہیں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں ان کی پوتی ہیں۔ کیا دُنیا میں حسین لڑکیاں نہیں ہوتیں؟ ان کے اندر لاوا اُبلنے لگا۔ عجیب بدگمان قسم کی خاتون ہیں۔ یہ عجیب ذہنیت ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا وہ یہ حصہ فوراً سے پیش تر خالی کر دیں گے ہر چند کہ اس علاقے میں ان کی پریکٹس بہت چمک اُٹھی تھی۔

ان کے کئی پلاٹ تھے لیکن ابھی وہاں آبادی نہیں تھی، اس لئے وہ کچھ بنا نہیں پائے تھے۔

ظفر کی رائے پر ہی وہ یہاں چلے آئے تھے کہ وہ ان کی بے حد عزت کرتا تھا۔

ان کی بیٹی ٹکر ٹکر کبھی باپ کو کبھی اماں جان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ بولے بنا اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

♦ ♦ ♦

وہ سلگتے ذہن سے کار ڈرائیو کر رہے تھے۔ فرح کو اس کی نانی کے ہاں ڈراپ کر کے وہ مزید بوجھل سے ہو گئے تھے۔

معاً ان کا اُبلتا خون ٹھٹک گیا۔ انہوں نے ہونٹ بھینچ کر آج کے واقعے کو کئی مرتبہ اپنے ذہن میں دُہرایا، بہت دیر گاڑی اِدھر اُدھر گھمائی۔ پھر خود پر کنٹرول کر کے کلینک کی طرف واپس پلٹ گئے۔

اگلے روز انہوں نے کلینک کے درمیانی دروازے کا پردہ اُٹھا کر دروازے پر ڈال دیا اور ملازم لڑکے سے کہا پانچ بجے تک کسی مریض کو اندر نہیں بھیجنا، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

پونے پانچ بجے کے قریب سفید چادر لپیٹے سیاہ چرمی بیگ کاندھے پر لٹکائے وہ خوش قامت زینے کی طرف بڑھی۔

''پری گل.....!'' انہوں نے بھاری اور کافی اونچی آواز میں پکارا۔

اس نے چونک کر کلینک کے کھلے دروازے کی سمت دیکھا۔

''جی.....تیمور بھائی.....!''

''ذرا مجھے ایک گلاس پانی نکال کر دے دو۔'' انہوں نے سر ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں.....؟'' اس کے صبیح چہرے پر پریشانی دوڑنے لگی۔

''ہاں، کئی دنوں سے۔'' وہ اسی طرح سر تھامے ہوئے تھے۔

اس نے پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھایا، ''یہ لیجئے۔''

تیمور نے سر اُوپر کئے بغیر گلاس کی سمت ہاتھ بڑھایا۔

بجائے گلاس کے پری گل کا ہاتھ ان کے مضبوط ہاتھ میں تھا، پہلے لمحے پری گل اسے اتفاق سمجھی، دوسرے لمحے اس کے وجود میں جھکڑ چلنے لگے۔ تیمور کے ہاتھوں کی روح اُس کے وجود میں دوڑنے لگی۔ تھوڑا اچھا لگا زیادہ برا۔

اس سے پیشتر وہ کارروائی کرتی، تیمور نے گلاس تھام لیا اور اسی طرح سر نیچے کئے پورا گلاس ایک سانس میں پی گئے۔

بظاہر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا لیکن پری گل کی سانس بے ترتیب ہو گئی تھی۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں جاؤں؟ بس خود بہ خود باہر آ گئی، زینے طے کرتے ہوئے اس نے بے تحاشا سوچا۔

''کیا اتفاق تھا.....؟''

''ہاں اتفاق تھا۔ اس سے پیشتر کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' اس نے خود ہی جواب دیا۔ خیر ایسا اتفاق ہو ہی گیا تھا، تو.....تو یہ کیا ہوا تھا میرے اندر.....؟ کیا کسی کے ہاتھ تھام لینے سے ایسا ہوتا ہے۔؟

ظفر بھائی تو دن میں دس بار ہاتھ موڑ دیتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ تیمور بھائی نے میرا ہاتھ سختی سے تو نہیں دبایا تھا۔

بہت نرمی تھی ان کے ہاتھ میں جیسے کسی نے تتلی کے پر تھام رکھے ہوں۔ اس کا ذہن اُلجھ گیا تھا۔

رات تک سینکڑوں مرتبہ اس نے وہ کیفیت دُہرائی۔ ہزار مرتبہ توبہ کی۔ کئی روز تک وہ دبے پاؤں ان کے کلینک کے سامنے سے گزری۔ مبادا وہ دیکھ لیں، وہ اسے آواز دے

ڈالیں۔ وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کیوں.....؟''

یہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

زندگی اس قدر تنہا و الگ تھلگ گزری تھی کہ واقعی اسے لوگوں کی شرافت کے معیار قائم کرنا نہیں آئے تھے بس جو شخص اس کے ساتھ نرمی سے بولتا اور نظر نیچی رکھتا وہ اس کے نزدیک بے انتہا شریف اور جو دیکھے ہی چلا جائے وہ لوفر۔

لہٰذا تیمور بھائی نے تو کبھی اس انداز میں نہیں دیکھا جیسا کہ بدتمیز سے لوگ دیکھتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے بہت شریف آدمی ہیں۔ پھر اس دن وہ کیا تھا؟

شاید اس دن اس کی طبیعت خراب تھی۔ شاید ان کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا ہو۔ پریشان بھی تو بہت رہتے ہیں۔

گھر ٹوٹا ہے آخر ان کا۔

چندا بھابی ان کی پسند تھیں۔

ان کی معصوم بیٹی ان سے دُور رہتی ہے۔ اس کا ذہن صاف ہو گیا۔

آج وہ کترا کر نہیں گزری بلکہ معمول کی چال سے گزری۔

تیمور دروازے پر کھڑے انجکشن روشنی کی سمت کئے، کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''السلام علیکم.....!'' اس نے عادتاً سلام کر لیا۔

''وعلیکم السلام، ٹھیک.....؟'' انہوں نے نظریں دوبارہ انجکشن کی طرف موڑ لیں۔

''جی ہاں .....!'' وہ سادگی سے مسکرا دی۔

''آج چپکے سے کیوں نہیں گزریں.....؟''

دھک دھک، دل کا کام بڑھ گیا۔ پیشانی پر قطرے چمکے۔

''جی.....؟'' اس نے انہیں پریشان نظروں سے دیکھا۔

''بھئی روزانہ تم اس طرح دبے پاؤں گزرتی ہو جیسے مجھ سے چھپنا چاہ رہی ہو۔ میں سمجھا شاید مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔'' ان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

پسینے کے قطرے گردن سے لڑھکے گریباں میں آ گرے۔

شریف آدمی بہت شرافت سے بات کر رہا تھا۔ پھر بھی بات معیوب سی لگی۔

کیوں.....؟ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

''پری گل.....!''

''جی.....؟''

''اندر آؤ دیکھو فرح نے کتنی پیاری تصویر بنائی ہے۔'' وہ سامنے سے ہٹ گئے۔

وہ اندر چلی آئی، وہی چادر سر سے پاؤں تک، وہی چرمی بیگ کاندھے پر لٹکا ہوا جس میں سوئی دھاگے، قینچیاں، کپڑے وغیرہ بھرے پڑے تھے۔ کام کرنے کے بعد کا ستا ستا چہرہ، تھکے تھکے قدم۔

انہوں نے رول کیا ہوا ڈرائنگ پیپر اس کے سامنے کھول دیا۔ ایک پیاری سی چڑیا کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

''یہ فرح نے بنائی ہے.....؟'' اس نے اشتیاق و حیرانی سے دیکھی۔

''لگتا ہے، بہت ہنرمند بنے گی میری بیٹی۔''

وہ اس کے برابر کھڑے ہو گئے۔ ''اُنگلیاں تو تمہاری بھی مصوروں جیسی ہیں۔''

''آپ کو دست شناسی بھی آتی ہے.....؟''

''بہت ہاتھ دیکھے ہیں لیکن تمہاری اُنگلیاں واقعی بہت خوبصورت ہیں، فنکارانہ اُنگلیاں ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ تھام لیا۔

''اچھا بتائیں، میری قسمت کیسی ہے۔''

بہت اچھا اُٹھان تھا۔ ان کے کاندھے سے کافی اونچی تھی۔ یہ عمر تو خوشبودار ہوتی ہے۔ لڑکی خود بہ خود روم روم میں اُتر جاتی ہے۔

لیکن وہ تو بہت مضبوط مرد تھے۔ اسی لئے وہ مطمئن تھی۔ اپنا گلابی ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیئے کھڑی تھی۔

''بھئی تمہاری قسمت تو بہت اچھی ہے۔''

''سچ.....؟'' وہ بے انتہا خوش ہو گئی۔

''پری گل.....! تمہارے نزدیک اچھی قسمت کیسی ہوتی ہے.....؟'' انہوں نے اس کے

مسکراتے چہرے کو بغور دیکھا۔

''بتاؤں.....؟'' وہ پرجوش ہوگئی۔

''ہاں.....!ہاں.....!''

''پتا ہے اچھی قسمت کسے کہتے ہیں۔ جب انسان بہت خوش رہتا ہے۔''

''اچھا.....!'' تیمور کو تعجب ہوا کہ وہ کافی سنجیدہ نقطۂ نظر رکھتی ہے۔

''اچھا.....انسان بہت خوش کب رہتا ہے.....؟'' انہوں نے پرشوق نظر اس پر ٹکادی۔

''جب ہر چیز انسان کی پسند کے مطابق ہو۔'' وہ بولی۔ وہ واقعی بہت سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''ہر چیز سے کیا مطلب ہے تمہارا.....؟''

''توبہ اللہ.....آپ سوال کتنے کرتے ہیں۔'' وہ تھوڑی سی عاجز ہوگئی۔

''بھئی.....ہر چیز یعنی ہر چیز۔'' وہ اُلجھ گئی۔

''چلو کوئی ایک چیز بتا دو تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر دیکھوں، وہ تمہیں میسر آئے گی یا نہیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''مثلاً انسان آزاد ہو، کوئی اسے روکے ٹوکے نہیں۔''

''خواہ وہ جہنم میں کود رہا ہو۔'' تیمور نے بات کاٹ ڈالی۔

''ایسا کوئی پاگل نہیں ہوتا۔'' وہ برا مان گئی۔

''ایک بات کہوں پری گل.....!''

''جی.....!'' وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''پری گل.....! دراصل کوشش تقدیر ہوتی ہے۔ خدا کا بھی فرمان ہے جو کوشش کرتا ہے، پاتا ہے۔'' انہوں نے اسے سمجھایا۔

''جیسے کہ تم چاہو کہ میں اُٹھالوں۔'' انہوں نے پیپر ویٹ کی طرف اشارہ کیا لیکن یہ سوچنے سے تمہارے ہاتھ میں نہیں آجائے گا۔ تمہیں آگے بڑھ کر ہاتھ سے اُٹھانا ہوگا۔ تم خوش رہ سکتی ہو پری گل۔ جو چیز چاہتی ہو پاسکتی ہو، کوشش سے۔ اچھا بتاؤ تم کیا حاصل کرنا چاہو گی سب سے پہلے، پھر تمہارے ہاتھ سے پتا چلے گا کہ خدا تمہاری کوشش کو کامیاب کرے گا یا نہیں،

کیونکہ اللہ ہی کی رضا سے کامیابی ملتی ہے۔ بعض اوقات وہ جدوجہد قبول کر لیتا ہے بعض اوقات نہیں۔ کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ انسان کے لئے کیا بہتر ہے۔ بتاؤ اپنی تمنا۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' وہ جھینپ گئی۔

''اتنی بڑی لڑکی اور کوئی تمنا نہیں۔'' وہ مسکرا دیئے۔

''میں نہیں جانتی کیونکہ میری تمنائیں ایک دو نہیں، بہت ہیں۔''

اس کی ہتھیلی گلابی اور معصوم تھی۔ کسی مرد نے اسفل جذبات کے ساتھ اسے چھوا نہیں تھا۔ بھری بھری، سرخ لہر دیتی ہوئی لانبی اُنگلیوں والی ہتھیلی۔ تیمور کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا مگر انہوں نے نرماہٹ سے اس کی ہتھیلی کے گداز کو محسوس کر لیا۔

بجلیاں، شاید زمین سے اس کے پاؤں میں اور پاؤں سے وجود میں دوڑی تھیں۔

پھر وہی.....اس کا دماغ تپ گیا۔

''تیمور بھائی.....! آپ واقعی.....اچھے آدمی نہیں ہیں۔''

وہ حد درجہ صاف گو تھی۔ ذرا نہ چوکی۔ پری گل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

تیمور مسکرا دیئے۔

''پری گل.....! ایک بات سنو۔ کیا میں ایسا آدمی نہیں جسے پسند کیا جائے.....؟ تمہیں قسم ہے، سچ بتانا۔

پری گل سناٹے میں رہ گئی۔

''پری گل.....! میں جس میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا، وہاں ایک سے ایک حسین لڑکی تھی۔ مجھے آج تک اس بات پر فخر ہے کہ میں وہاں بھی بے حد مضبوط ثابت ہوا۔ ڈاکٹر بن گیا، گھر والوں نے شادی کر دی یہ کہہ کر کہ چندا بے حد اچھی لڑکی ہے۔ میں نے ان سب کی خوشی پوری کر دی۔''

''لیکن اماں جان تو کہہ رہی تھیں، چندا بھابی آپ کی پسند تھیں۔''

''ہرگز نہیں.....میں نے صرف تصویر دیکھ کر اسے پسند کیا تھا اور بس.....اور اماں جان نے تو اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔ کیا مجھے علم نہیں مگر میں صفائی پیش کرنا، اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ میں دوسروں کے فیصلوں کی بھینٹ چڑھا ہوں۔ میرے سر ایک خودسر لڑکی منڈھ دی گئی تھی۔

بہنیں عموماً حسین بھابی تلاش کرتی ہیں اور ماں دولتمند بہو۔ میرے گھر والوں کو کافی حسب پسند چیز مل گئی تھی۔ وہ گہن لگا چندا تھا۔ اسے میری تنہائی پسندی سے چڑ تھی اور مجھے اس کی سوشل سرگرمیوں سے۔ جب گرہ کھلتی نہیں تو ڈور کاٹنا پڑ جاتی ہے۔ پری گل.....! بتاؤ کیا میں ایسا شخص نہیں جو پسند کیا جا سکے۔"

پری گل ہکا بکا کھڑی تھی۔ چادر سر سے پھسل کر کاندھوں پر پڑی تھی، اس نے تیمور کی سمت دیکھا۔

برسات کا خوشبو دیتا ناگ ہو یا عورت کے لئے شدت سے سوچتا مرد۔ نہ ناگن بچ پاتی ہے اور نہ ناری، دونوں پر بہت روپ آتا ہے، دونوں بے بس ہو سکتی ہیں۔

جس طرح ناگن من چاہے ناگ کے قابو میں آ سکتی ہے اور کسی طاقت کے بس میں نہیں۔ بالکل اسی طرح عورت صرف ایک کے قابو میں خوشی سے آ سکتی ہے۔ جو مرد جی کو بھا جائے پھر عورت بہت بے نیاز ہو جاتی ہے اور مسرور بھی۔

وہ تھوڑی چھوٹی تھی، تھوڑی بڑی..... تیمور عورت برت چکے تھے۔

ان کا تیر کیسے خطا جا سکتا تھا؟

وہ بیگ سنبھال کر باہر نکل گئی تھی۔ چال ایسی ہی تھی جیسے بیڑیوں پڑے پاؤں سے کوئی چل رہا ہو۔

♦ ♦ ♦

تیمور کو یہاں رہتے ہوئے یعنی نچلا رہائشی حصہ استعمال کرتے ہوئے اور کلینک چلاتے ہوئے چھ ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ بہت کم اوپر جاتے تھے۔ اس دن کے بعد پری گل نہ کبھی ان کے رہائشی حصے میں آئی تھی، نہ کلینک میں۔ وہ اب جب کبھی اوپر جاتے، بڑی چھب سے جاتے تھے۔

پری گل ایک دم حواس باختہ سی نظر آنے لگتی۔ وہ بمشکل مسکراہٹ ضبط کرتے۔

کبھی اس کے سامنے سے کپڑا اُٹھا کر کڑھائی کی تعریف کرتے ہوئے بے ساختہ آگے ہو کر کہتے۔

"ساڈے ویڑے وی کدی آؤ جی....."

پری گل کانپ کر رہ جاتی۔ اسے اس بے پناہ پرکشش مرد سے خوف آنے لگتا۔ لیکن دل یہ بھی چاہتا، وہ سامنے سے جائیں نہیں۔ وہ صرف پانچ منٹ بعد ہی جانے کو اُٹھ کھڑے ہوتے۔

پری گل کا بے ساختہ جی چاہتا انہیں باندھ کر بٹھا دے اور کہے میں ہزار اِدھر اُدھر کام کرتی پھروں، آپ مگر یہیں رہئے۔

پتا نہیں کیا بات ہے۔

پہل عموماً مرد کرتا ہے۔

عورت اس کی پہل کا دو طرح جواب دے سکتی ہے، ہاں میں بھی اور ناں میں بھی جو ہاں کہہ دیتی ہے۔ پھر وہ ہر لمحہ جان دیتی ہے۔

ایک ہاں کی ایسی سزا پاتی ہے..... ایسی سزا پاتی ہے کہ بے ساختہ کہہ اُٹھتی ہے.....

جو میں جانتی پریت کرے دُکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتی پریت نہ کریو کوئے

ڈھنڈورا تو نہیں پیٹ سکتی بس لکیر پیٹتی رہ جاتی ہے۔

عورت کبھی منہ پھاڑ کر نہیں کہتی کہ "ہاں" جو مرد آرزومند ہوتا ہے۔

اسے عورت کی ہاں اور ناں دونوں کی خوب سمجھ ہوتی ہے۔

پہلی نظر پیغام رساں ہوتی ہے دوسری طالب۔

پھر جواب ملنے کے بعد کی نظر ہوتی ہے جو اس طرح سلگاتی ہے جیسے گیلی لکڑی۔

آج کل وہ گیلی لکڑی تھی۔

بعض مرد بہت ستاتے ہیں۔

کبھی کسی کا تذکرہ کر کے جی جلاتے ہیں۔

کبھی آ کر فوراً چلے جاتے ہیں۔ دل و نظر پیاسے رہ جاتے ہیں۔

حالانکہ خود بھی جلتے ہیں مگر جانے کس جذبے کی تسکین کرتے ہیں۔

جوں جوں عورت تڑپتی ہے۔

مرد کی طمانیت بڑھتی ہے۔ایسے اونچے اونچے قہقہے لگاتا ہے جیسے محمود غزنوی مندر ڈھا کر آرہا ہو۔

سب ایسے نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ہوتے ہیں۔شاید تیمور ایسے ہی تھے، آگ لگا کر انجان بن گئے تھے، وہ گزرتی تو کبھی نہ بلاتے۔

اُوپر آتے تو فوراً چلے جاتے۔

ایک گھونٹ پیاس بڑھاتا ہے بجھاتا نہیں۔

ہاں کبھی ایسا ہوتا، دیکھتے کہ وہ بے حد اُداس ہے تو کوئی ایسی بات کر دیتے۔

جو سوکھے دھانوں پر پانی کا کام کر جاتی۔

مگر یہ راشن ایک دو ماہ میں ختم ہو جاتا۔

کیسی چھوٹی سی عمر تھی، کتنی بڑی سی دیوانگی۔

''سوہنی'' کے پاس ہزار بہانے تھے، اس کے پاس ایک بھی نہیں۔اب تو کورس بھی مکمل ہو چلا تھا۔

پتا نہیں.....اچھی بھلی محبت شروع ہوتی ہے پھر اس کے بیچ ''انا'' نہ جانے کہاں سے آجاتی ہے۔

پہل تیمور کر ہی چکے تھے۔وہ درّانہ ان کے پاس جا سکتی تھی۔

لیکن یہ حقیقت ہے۔مرد انجان ہو رہا ہو تو عورت اسے وعدہ یاد دلانے کی کوشش کرنے کے بجائے خاموش ہو جانا پسند کر لیتی ہے۔اگر وہ باشعور ہو۔

وہ خاموش ہی تھی کہ کافی باشعور تھی۔

اس نے کئی دن پہلے بھی ایک لڑکی کو کلینک آتے دیکھا تھا۔اس دن بھی اور آج بھی۔ چین پڑے گلاسز اس کے گلے میں جھول رہے ہوتے، وہ جدید تراش کے ملبوس میں ہوتی۔اس کے چہرے پر واپسی میں دھیمی دھیمی مسکراہٹ ہوتی۔

اماں جان کی کہی بات اس کے کانوں میں گونجتی۔

''ارے.....! عاشق مزاج ہے یہ لڑکا۔'' احساسِ توہین سے ہر عمر میں سلگا جا سکتا ہے۔ وہ کم عمر تھی مگر سلگ گئی۔چپکے سے زینے کا دروازہ کھول کر نیچے آئی۔اماں جان عشاء کی نماز میں

مشغول تھیں، ظفر سٹڈی میں۔موقع غنیمت تھا۔

تیمور باتھ روم میں تھے۔وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔وہ اندر گنگنا رہے تھے، وہ باہر تنتنا رہی تھی۔سرخ کرتے، سیاہ پاجامے اور دوپٹے میں ملبوس تھی۔دوپٹہ بھی اسکارف کی طرح گردن سے لپٹا ہوا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آئے تو بری طرح چونک گئے۔کرتا اور چہرہ ایک رنگ کا ہو رہا تھا۔

''زہے نصیب.....کیسی بخت آور رات ہے۔''

دل کشی سے مسکرائے۔

''کیا ہمیشہ کے لئے آگئی ہو.....؟'' انہوں نے چھیڑا۔

''میں اتنی گندی لڑکی نہیں ہوں۔''

''کہ بغیر باجے گاجے کے آجاؤں۔'' تیمور نے ٹکڑا لگایا۔غصے کی شدت سے پری گل کا تنفس بے ترتیب ہو گیا۔

''بات سنیں.....''

''سنائیں صاحب.....!'' وہ آئینے کے سامنے تولئے سے سر خشک کر رہے تھے۔''جو چاہے سنائیں بلکہ بے نقط سنائیں۔'' پھر اس کے نزدیک آکر بولے۔''آپ کو تنگ بھی تو بہت کیا ہے ہم نے۔''

''وہ لڑکی کون ہے.....؟''

''جو شام کو آتی ہے.....؟'' وہ مسکرائے۔پری گل خاموش رہی۔

''پری گل.....! میں یہاں پانچ بجے سے نو بجے تک بیٹھتا ہوں، جانے کتنی لڑکیاں آتی ہیں اور ہاسپٹل جہاں میں ملازم ہوں، وہاں اتنی خوبصورت ڈاکٹرز اور نرسیں ہیں کہ تم اتنا جلو، اتنا جلو کہ لکشمن (جمعدار) کی مسز کی طرح کالی ہو جاؤ.....اگر انہیں دیکھ لو۔بات میں تم سے کر نہیں سکتا، مستقبل پلان نہیں کر سکتا، جرأت تم میں ہے نہیں اور میں خالی باتیں کر کے تمہیں بہلا نہیں سکتا۔اماں جان اگر تم سے پوچھیں تو کیا تم یہ سچ انہیں سنا سکتی ہو.....؟''

''ظاہر ہے.....''

''اگر ظفر پوچھے تو بھی.....''

''تو بھی.....'' وہ قطعیت سے بولی۔

تیمور بری طرح چونک پڑے۔ ''یہ کہاں آ گئیں تم..... کیا سچ مچ.....؟'' انہیں یقین نہیں آیا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''پری گل جاؤ، اب تم جاؤ۔''

وہ بھی ایک دم ہوش میں آ گئی اور بری طرح گھبرا گئی۔ جیسے ہی باہر نکلنے کے لئے مڑی..... ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے رُخسار پر پڑا۔

''جس طرح لوگ موتی ٹانکتے ہیں، اسی طرح تجھ میں تربیت ٹانکی تھی اور اس کی اصلیت سے میں نے تجھے آگاہ بھی کیا تھا۔

تیرے بیاہ کی مجھے کس قدر فکر تھی۔ پھر تجھے کیا ضرورت پڑ گئی کہ اپنا برخود ڈھونڈتی پھرے.....؟''

انہوں نے دوبارہ طمانچہ رسید کرنا چاہا۔ تیمور نے پری گل کو شانوں سے پکڑ کر ایک طرف کر دیا۔

''یہ بہت کم عمر اور نہ تجربہ کار ہے مگر میں نہیں..... کم از کم آپ کسی پر اس طرح ظلم نہیں کر سکتیں۔''

''ارے میاں.....! تم سے تو خدشہ یہی تھا۔ تمہارے تو چلن ہمیشہ سے یہی ہیں، یہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل سکتی ہے، میں نہیں..... چلو اُوپر۔'' تیمور کو خدشہ ہوا وہ اس کا قیمہ بنا دیں گی۔

''اماں جان.....! آپ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔''

''ارے تم ہوتے کون ہو.....؟'' وہ تیمور پر اُلٹ پڑیں۔

انہوں نے پری گل کو شانوں سے تھام لیا۔

''پری گل اپنی جان پر ظلم نہ کراؤ ورنہ میں اپنی نظروں میں گر جاؤں گا جو فیصلہ کر چکی ہو، اماں جان کو سنا دو۔''

''اماں جان نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا ہے، اس کا مطلب ہے وہ میرا فیصلہ سن چکی ہیں۔ سن کر انجان کیوں بن رہی ہیں۔''

اماں جان کا تو دل دھڑکنا بھول گیا۔

ہوں..... ہاں..... جی کرنے والی پوتی کی اتنی لمبی زبان.....؟

''یہ اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی ہے تیمور.....! تم مجھ سے نہیں جیت سکتے۔'' وہ غرائیں۔

''میری اتنی حسین نازوں کی پالی بچی..... میں تم جیسے دوہا جو کو دے دوں۔ قیامت تک نہیں..... کتنی سچی ہے میری چھٹی حس، دیکھا میں کیا کہتی تھی۔'' وہ پری گل سے مخاطب ہوئیں۔

''اماں جان.....!'' یہ ظفر کی آواز تھی۔ ''کیوں بے کار بات بڑھاتی ہیں، رہ کیا گیا ہے۔'' وہ جانے کب آ گیا تھا، اس کی آواز ایک دم بے تاثر تھی۔

''تیمور بھائی.....! باقاعدہ پیام بھجوایئے، ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ چلو پری گل اوپر۔'' اس نے تیمور سے نظریں ملائے بغیر کہا اور بہن کو چلنے کا اشارہ کیا۔ پری گل خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

♦ ♦ ♦

''پری گل ہماری بیٹی ہے بھابی.....!'' دادی جان آصفہ خانم نے پری گل کو بازو کے گھیرے میں لیے لیا۔

شکست خوردہ سی اماں جان بے جان، بے آواز بیٹھی رہ گئیں۔ (ظفر نے کچھ اچھا نہیں کیا) آہ..... اب ان کی نندان کے سامنے بیٹھ کر کچھ بھی کہہ جائیں وہ چپ رہیں گی۔ ساری عمر کی برتری، بڑائی، اقتدار اس لڑکی نے پل میں خاک میں ملا دیا تھا۔ ''پری گل دراصل اس وقت بہت چھوٹی تھی جب ہم نے تیمور کی چندا سے شادی کی تھی۔ ہماری ہی غلطی ہے۔ ہمیں ہی جلدی تھی بیٹے کے سر سہرا دیکھنے کی۔ اگر اب تیمور شادی کرتے تو پہلا دھیان پری گل کی طرف ہی جاتا۔'' تیمور کی امی نے پری گل کو محبت سے دیکھا جو دُور دُور کام میں مصروف تھی۔

''لیکن دھیان کیوں جاتا، پری تو تیمور سے بہت چھوٹی ہے۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''اب بوڑھا بھی نہیں ہے۔ چندا بسی ہوئی ہوتی تو اب تک چھ بچے تو ہو ہی چکے ہوتے۔'' (توبہ توبہ، چھ بچے) پری گل نے توبہ کی۔

''وہ ڈاکٹر ہے آصفہ..... پری نے ابھی گیارہویں جماعت میں داخلہ لیا ہے۔ ہر چیز میں بہت فرق ہے۔'' ان کی آواز اب بھی مدہم تھی۔ وہ بہت زیرک تھیں، وہ جان گئی تھیں کہ آصفہ اور ان کی بیٹی پورے قصے سے لاعلم ہیں اور تیمور کی پسند کو یکطرفہ خواہش سمجھتے ہوئے آئی ہیں۔ تیمور کی طرف سے تھوڑی سی کدورت کم ہوئی۔ کم از کم اس نے پری گل کا نام تو بیچ میں نہیں نکالا۔ ان کا خیمہ ابھی مضبوط تھا لیکن وہ جانتی تھیں اگر انکار کر دیا تو کمزور بھی پڑ سکتا ہے۔ وہ بہر حال مرد ہے لیکن دل کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔

''آصفہ.....! یہ بھی تو دیکھو، اس کی ایک بچی ہے۔'' وہ اپنی طرف سے دیر لگا کر کھونٹا مضبوط کرنا چاہ رہی تھیں۔

''تو بھابی بچی کون سا تیمور کے پاس رہتی ہے۔ آج ماں کے پاس ہے کل جوان ہو گی تو شوہر کا گھر آباد کرے گی انشاءاللہ۔'' انہوں نے اپنے برف جیسے سفید بچے کھچے بالوں کا لیموں سے بھی چھوٹا جوڑا بنا لیا۔

پری گل اگرچہ دُور دُور تھی مگر کچھ کچھ سن بھی رہی تھی۔ اسے دادی کے انداز سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

''رہی پڑھائی کی بات، پڑھنے سے کسی نے روکا ہے.....! جب تک چاہے پڑھتی رہے۔ گھر میں ماشاءاللہ نوکر چاکر ہیں، ہم ہیں۔ اس پر تو کوئی ذمے داری بھی نہیں ہو گی ہمارے ہوتے ہوئے۔'' تیمور کی امی نے دلاسا دیا۔

اختلافات کی دراڑیں وہ اپنے طور پر بھر رہی تھیں۔ بیٹے کی خوشی کی خاطر جو بالکل ہی دُنیا سے کٹتا جا رہا تھا۔

کتنی لڑکیاں دکھائی تھیں دوسری شادی کے لئے لیکن تیمور کی ناں، ہاں میں نہ بدلی۔ اب از خود کہا تھا۔ وہ ذرا تاخیر کرنا نہیں چاہ رہی تھیں اور اختلافات بھلا کر ممانی کے پاؤں تک چھونے پر تیار تھیں۔

''ٹھیک ہے پھر..... اللہ مالک ہے..... پری گل تمہاری بیٹی ہے۔'' دونوں ماں بیٹی نے فرطِ مسرت سے اماں جان کے شانے تھام لئے۔

''انشاءاللہ بہت خوش رہے گی۔ ممانی جان آپ بس دُعا کیجئے۔'' تیمور کی امی نے ان

کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

پری گل اس دن کے بعد سے اماں جان سے نظریں نہیں ملا پائی تھی لیکن رُخصتی کے وقت جب ان کے سینے سے لگی تو احساس ہوا، وہ ایک سرسبز سایہ دار درخت سے ہمیشہ کے لئے دُور ہو رہی ہے اور ظفر بھائی اکیلے رہ گئے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ وہ تڑپ کر روئی۔ روتے روتے بے ساختہ کہہ گئی۔

''اماں جان.....! مجھے معاف کر دیجئے گا۔''

سب یہی سمجھے وہ اپنا کہا سنا معاف کرا رہی ہے۔ اس معنی خیز معافی کو صرف تین افراد ہی سمجھ سکے۔ اماں جان، ظفر اور تیمور۔ اماں جان جلد ہی سر پر ہاتھ پھیر کر الگ ہو گئی تھیں۔

تیمور نے پہلی ہی ملاقات میں اسے اس قدر خوشی دی کہ وہ تمام ملال دُکھ بھول گئی۔ اس کے گداز ہاتھوں کو ہاتھوں میں تھام کر شرارت سے بولے۔

''میں نے کہا تھا ناں..... جو کوشش کرتا ہے پا لیتا ہے۔'' بارِ حیا سے پری گل سے نظریں نہ اُٹھائی گئیں۔

''کہو ہاں.....!'' وہ اسے ستا رہے تھے۔

وہ چپ رہی۔

''بھئی صحیح بات کے لئے تائید کرتے ہیں۔ میں نے ٹھیک بات کہی ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تصدیق کرو، کہو ہاں.....''

''جی.....!'' وہ شرما گئی۔

اس کی شائستگی و احترام اور حیا پر وہ مسکرا دیئے۔

''ایسے ہی تابعداری کرتی رہنا، کبھی لڑائی نہیں ہو گی۔''

پری گل نے گھبرا کر نظریں اُٹھائیں۔

''لڑائی.....؟''

''بھئی جب ایک گھر میں رہیں گے، ایک چھت کے نیچے بسیں گے۔ ایک کمرے میں وقت گزاریں گے تو لڑائی بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں تو نہیں لڑوں گی۔'' وہ بے ساختہ بول پڑی۔

تیمور نے بمشکل اپنا جاندار قہقہہ روکا۔

''تم نہیں لڑو گی..... میں تو لڑوں گا۔''

''کوئی اکیلے کیسے لڑ سکتا ہے۔ آپ لڑیں گے تو میں چپ رہوں گی۔ آپ ڈانٹیں گے تو خاموشی سے سن لوں گی، پھر آپ کس سے لڑیں گے.....؟''

اُف خدایا..... کیا پاگل کر دینے والا انداز تھا۔ ان پر کڑی گزر گئی۔

♦ ♦ ♦

وہ خوش تھی لہٰذا ظفر اور تیمور کے درمیان کے فاصلے پھر مٹ گئے مگر اماں جان کبھی ان کی اس طرح آؤ بھگت نہیں کرتی تھیں جیسا کہ ان کا حق تھا۔

پری گل دو دن سے رہنے آئی ہوئی تھی۔

ویسے تو ظاہر ہے تیمور کلینک روز آتے تھے۔ اس کی جھلک بھی دیکھ لیتے تھے۔ اس دن وہ سامیہ کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ واپسی میں اس نے کلینک کا پردہ اُٹھا کر جھانکا، تیمور نہیں تھے۔ وہ سمجھ گئیں، اُوپر ہوں گے۔

آج اس نے سیاہ رنگ کا بے حد خوبصورت لباس پہنا تھا۔ سیاہ کشمیری کڑھائی کی سوتی گھیر دار پشواز اور سیاہ شلوار تنگ پائنچوں کی۔ کشمیری بوٹیوں سے سجا دوپٹہ۔ آج اس نے اپنے آبائی لباس کی یاد تازہ کی تھی۔ اسے معلوم تھا تیمور اسے دیکھیں گے اور بے حد خوش ہوں گے۔ اسے اس طرح دیکھیں گے کہ اسے بے حد شرم آئے گی۔

وہ آہستگی سے اوپر آئی تھی۔ کلینک کھلا ہوا تھا، گاڑی باہر کھڑی تھی۔ سو فیصد یقین تھا تیمور اُوپر ہیں مگر اُوپر بھی کوئی نظر نہیں آیا۔

وہ آگے بڑھی تو تیمور کی آواز ڈرائنگ روم سے آئی۔

''میں نے آپ کو بالکل صحیح بات بتائی ہے۔ اماں جان میں بد باطن و بد نظر نہیں ہوں یہ خدا بہتر جانتا ہے مگر مرد ہوں۔ مرد کو کبھی ضد نہیں دلانا چاہئے۔ اس کے وقار کو ٹھیس نہیں لگانا چاہئے۔

آپ کے تمام شکوے اپنی جگہ درست ہیں۔

آپ میری بزرگ سہی مگر میری مردانہ انا کو چھیڑنے کا حق میری ماں کو بھی نہیں ہے۔ پری گل اتنی چھوٹی اور معصوم تھی مجھ سے، میرے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ مجھ سے بہت چھوٹی سہی مگر بہر حال لڑکی ہے۔ وہ بہت خوبصورت ہے۔ سب کو اچھی لگتی ہے، میں بھی اس کی خوبصورتی کو اسی طرح پسند کرتا ہوں جس طرح خدا کی بنائی ہوئی فطری حسین چیزوں کو پسند کرتے ہیں مگر میں نے اسے کبھی میلی نظر سے نہیں دیکھا تھا لیکن آپ نے براہِ راست میرے وقار پر حملہ کیا۔ ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ۔ یہ شادی میں نے انتقاماً کی ہے۔ یہ میرا عہد تھا کہ پری گل میرے لئے آپ سے ضد کرے گی، اپنے منہ سے اقرار کرے گی۔ تو آپ اماں جان جب تک میں نے نہیں چاہا تھا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ جب میں نے چاہا اسے جگا دیا۔''

''مرد کی انا کو نہیں چھیڑتے اماں جان.....! خواہ وہ مرد آپ کا بیٹا ہو..... چاہے وہ عمر اور رشتے میں آپ سے بہت چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنی زندگی کے تجربات میں اسے بھی لکھ لیجئے۔'' ان کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ ''میں خود اپنے مسائل اور پریشانیوں میں اتنا اُلجھا ہوا تھا کہ پری گل کے حسن و معصومیت بھی مجھے جگا نہ پائے تھے۔ آپ کی وجہ سے وہ سب کچھ ہو گیا جو شاید کبھی نہ ہوتا۔''

''پری گل آج کے معاشرے کی پروردہ لڑکی تھی۔ دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔''

مردانہ انا و وقار کی بڑائیاں بیان کرنے والا مرد یہ بھول گیا کہ انا تو بچے کی بھی ہوتی ہے۔

''جب میں نے چاہا پری گل کو جگا دیا، جب تک میں نے نہیں چاہا تھا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔''

احساسِ توہین سے پری گل کا جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

اس پورے ڈرامے میں اس کی کیا حیثیت تھی.....؟ کیا کردار تھا.....؟

اماں جان کو سبق سکھانے کی خاطر تیمور نے یہ ڈراما کھیلا..... وہ کردار ادا کر رہے تھے۔ وہ تن من وار رہی تھی۔ لعنت ہے اس پر..... اس نے خود کو ملامت کی۔ بمشکل خود کو نارمل کر کے وہ کچن میں چائے بنانے چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں ٹرے اُٹھائے وہ ڈرائنگ روم میں گئی۔ تیمور صوفے پر نیم دراز تھے۔ اماں جان دیوان پر بیٹھی ہوئی حسب معمول کوئی کپڑا تر پ رہی تھیں اور بہت نادم نادم سی تھیں۔

اسے دیکھ کر بولیں، ''تم کب آئیں پری.....؟''

''ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی۔'' اس نے بے تاثر آواز میں جواب دی۔

تیمور نے اس فینسی ڈریس میں اسے نظروں سے بہت سراہا مگر اسے رمتی برابر خوشی نہ ہوئی۔ اماں جان چائے کا کپ اُٹھا کر باہر نکل گئیں۔

''آج گھر چلنا ہے۔ تیار رہنا، کھانا مت بنانا، وہیں کھائیں گے۔'' وہ گھڑی پر نظر ڈال کر بولے۔

''یار.....اتنے قاتل انداز بنا کر سامنے نہ آیا کرو۔ مریضوں سے بے انصافی ہونے لگتی ہے۔ اعصاب پر چھائی رہتی ہو۔''

''آئندہ نہیں بناؤں گی۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کر بولی۔

تیمور چونک پڑے۔ اس جملے پر تو اسے شرمانا چاہئے تھا، نہ کہ ایسا ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے.....؟''

''نہیں.....!''

انہوں نے اس کی کلائی تھام کر نبض محسوس کرنا چاہی۔ اس نے فوراً کلائی چھڑالی۔

''ہر بیماری کا پتا نبض سے نہیں چلتا۔''

''اور ہاں، تمہاری دو کلاس فیلوز کل آئی تھیں گھر..... ڈائرکٹ کالج سے آئی تھیں۔ پریشان تھیں کہ تم دو دن سے کیوں چھٹی پر ہو۔''

''اچھا غزالہ اور راحت ہوں گی۔ وہ ویسے بھی آنے کو کہہ رہی تھیں۔ بہت کھوجی ہیں، کہہ رہی تھیں، ڈاکٹر تیمور آغا تمہارے شوہر ہیں، یقین نہیں آتا۔ ہم تو سمجھے تھے کوئی مالدار سا بوائے فرینڈ ہے جو تمہیں پک کرنے آتا ہے۔

چھی چھی.....اتنی کم عمر لڑکیوں کی ذہنیت کیسی ہوگئی ہے۔ وہ مجھے پوچھنے نہیں تصدیق کرنے آئی تھیں۔'' اسے وہ لڑکیاں یاد آگئیں تو پارہ اور چڑھ گیا۔ ''بہرحال تصدیق ہوگئی، امی نے ان کی بہت آؤ بھگت کی، شادی کی تصاویر وغیرہ دکھائیں۔''

''مجھے تو کوئی پروا بھی نہیں تھی ان کی تصدیق کی۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔ آج وہ بدلی بدلی لگ رہی تھی۔ روکھی روکھی، کڑوی کڑوی باتیں کر رہی تھی۔ انہوں نے چھیڑنا مناسب نہیں

سمجھا۔ چائے پی کر نیپ کلینک میں چلے گئے۔

اس نے باہر آ کر اماں جان سے کہا۔

''اماں جان.....! میں اور تیمور کھانا نہیں کھائیں گے۔ آج میں گھر جاؤں گی ان کے ساتھ۔'' یہ کہہ کر وہ واپس کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ وہ دادی سے بھی شاکی تھی کہ ان کی غلط سوچوں کے نتیجے میں وہ شٹل کاک بنائی گئی۔

♦ ♦ ♦

احساسِ توہین اس کے جی کا روگ بنتا جا رہا تھا کہ تیمور کے سارے انداز جھوٹے ہیں۔ وہ ڈراما کر رہے ہیں، رمضان شروع ہو چکا تھا۔ وہ روزے بھی رکھ رہی تھی۔ آزادگی، کم خوراکی، پریشان خیالی، زرد اور بے رونق ہو چلی تھی۔ تیمور اس کا حال دیکھ دیکھ کر پریشان تھے۔ کالج جاتے ہوئے، واپسی میں، بیڈروم میں انہوں نے ہزار طریقوں سے اس کا حال پوچھا تھا مگر وہ ایک خاموشی سب کے جواب میں والا معاملہ تھا۔

جبکہ ان کیا می بھی انہیں لتاڑ رہی تھیں اور نانی بھی کہ اچھے ڈاکٹر ہو، بیوی سوکھ کر کانٹا ہوتی جاتی ہے، تمہیں اس کے مرض کا نہیں پتا چلتا۔ وہ خود بھی پریشان تھے کہ یکا یک اسے ہو کیا گیا۔

چاند رات کو وہ اسے چوڑیاں پہنانے لے جانا چاہتے تھے۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ صاف کرتے ہوئے روکھا سا جواب دے دیا کہ ''بہت چوڑیاں ہیں میرے پاس۔'' تب وہ برداشت کی حد سے گزر گئے۔

''کیا بات ہے پری، کیا دُکھ ہے تمہیں، بتاتی کیوں نہیں، تمہارے اس رویے کا مجھ پر ہی نہیں میری پیشہ وارانہ ذمہ داریوں پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ حال دیکھا ہے اپنا.....؟ مجھے بتاؤ، میں تمہارا ساتھی ہوں، شوہر ہوں، مجھ سے کیا چھپانا۔'' تب وہ ان کے کاندھے سے ٹک کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اپنی عزت کی خاطر دوسروں کو بے عزت نہیں کرتے تیمور.....اس دُنیا میں میرا ٹھکانا بتائیے، بہت سچے رشتے میں نے دیکھے نہیں۔ کچھ سچے رشتے تھے وہ عارضی تھے۔ جس کے ساتھ سچا رشتہ ہے وہ کتنا جھوٹا ہے۔''

''ہائیں.....'' تیمور کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ذرا جو وہ سمجھے ہوں، وہ اسے تھامے بیڈ تک لے آئے۔

''بندۂ خدا ذرا دھیرج سے.....''

اس نے آخر کار بتا دیا کہ اس نے تیمور کی اور اماں جان کی گفتگو سن لی تھی۔ تیمور چند ثانیے کے لئے خاموش بیٹھے رہ گئے۔ وہ واقعی نادم تھے۔

''میں ڈراما کار نہیں ہوں پری..... ورنہ آج کے دن اسے واقعے، اس بات کے لئے بھی میرے پاس کوئی نہ کوئی دلیل، تاویل نکل آتی۔

یہ سچ ہے، میں نے انتقاماً تمہیں چھو کر جگایا۔ پری تمہیں نہیں جگایا، اپنے نصیب کو جگایا۔ میں نے اماں جان سے انتقام لینا چاہا تھا مگر لے کر بھی نہ لے سکا۔ کوئی تمہیں جگا کر سو سکتا ہے، توبہ کرو۔

پری.....! نظر نے تمہیں انتقاماً دیکھا تھا، جھوٹ سے دیکھا تھا لیکن بخدا جب وہ پلٹی تو اس میں انتقام نہیں، حیرت اور لٹ جانے کا ملال تھا۔ فیصلے پہلی نظر سے ہوتے ہیں مگر نظر کے دو عمل ہوتے ہیں۔ ایک جانے کا، ایک واپس پلٹنے کا۔ جو نظر تم پر پڑی جب واپس آئی تو وہ نہیں تھی۔ یقین کرو، یہ سچ ہے۔ اس کے علاوہ کہنے کو میرے پاس کچھ نہیں۔'' پری گل کا اطمینان چہرے سے عیاں تھا۔

⌘ ⌘ ⌘